AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

فنِ خطابت: تاریخی ارتقاء، اسالیب اور اثرات کا تحقیقی جائزہ

The Art of Oratory: A Research Study on Historical Evolution, Techniques, and Impacts

☆ضیاء الرحمٰن: لیکچرر، شعبہ اسلامیات، یونیورسٹی آف لاہور (UOL)، لاہور، پاکستان۔
☆ڈاکٹر عتیق الرحمن: ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، یو۔ای۔ٹی لاہور، پاکستان۔

Abstract

The art of oratory has been a pivotal means of communication throughout human history, enabling speakers to convey their thoughts in a structured and persuasive manner. In ancient Greece and Rome, oratory was considered an essential skill, with philosophers like Aristotle and Cicero formulating theories on rhetorical techniques. In the Islamic era, the speeches of the Prophet Muḥammad (PBUH) and the Righteous Caliphs set exemplary standards of eloquence, truthfulness, and influence. Their speeches were deeply rooted in logic, sincerity, and moral guidance, shaping the course of Islamic preaching and governance. In modern times, oratory plays a crucial role in politics, society, education, and the media. Different types of oratory include religious, political, educational, and judicial speech. Religious oratory comprises sermons and spiritual discourses, while political speeches influence public opinion and electoral campaigns. Educational oratory is integral to academia, where scholars and educators present their ideas, and judicial oratory involves legal arguments presented by lawyers and judges. A compelling speech requires clarity, logical reasoning, emotional appeal, appropriate tone, and effective body language. Mastery of language, coherence in arguments, and an understanding of audience psychology are key to impactful public speaking. This study explores the historical evolution of oratory, its diverse forms, and its influence on human thought and society. It highlights the significance of oratory as a powerful tool in shaping opinions, governance, and intellectual discourse, proving its enduring relevance across civilizations.

***Keywords**: Oratory, Aristotle, Cicero, Islamic Preaching, Political Speech*

تعارف موضوع

فنِ خطابت انسانی تاریخ میں اظہارِ خیال کا ایک مؤثر اور بنیادی ذریعہ رہا ہے۔ قدیم تہذیبوں میں، خاص طور پر یونان اور روم میں، خطابت کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی، جہاں ارسطو اور سیسرون جیسے مفکرین نے اس فن پر سیر حاصل بحث کی اور اسے علمی و عملی بنیادیں فراہم کیں۔ اسلامی عہد میں، نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کی خطابت نے اس فن کو کمال تک پہنچایا، جہاں سچائی، حکمت اور اثر انگیزی نمایاں خصوصیات تھیں۔ عہدِ جدید میں خطابت کا دائرہ وسیع ہو چکا ہے اور یہ سیاست، تعلیم، سماجی اصلاحات اور ذرائع ابلاغ میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ مذہبی خطابت میں وعظ اور خطبے شامل ہیں، سیاسی خطابت میں عوامی بیانات اور انتخابی تقریریں، تعلیمی خطابت میں اساتذہ اور محققین کے لیکچرز، جبکہ عدالتی خطابت میں وکلاء اور ججز کے دلائل شامل ہوتے ہیں۔ ایک مؤثر تقریر کے لیے ضروری ہے کہ اس میں زبان پر مکمل عبور، مدلل گفتگو، جذبات اور منطق کا متوازن استعمال، اور سامعین کی نفسیات کا ادراک شامل ہو۔ اس تحقیقی جائزے میں فنِ خطابت کے تاریخی ارتقاء، اسالیب اور معاشرتی اثرات کا تفصیلی تجزیہ کیا گیا ہے، تاکہ اس فن کی ہمہ گیریت اور دورِ حاضر میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا جاسکے۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

لفظ خطیب کے لغوی معنی

لغت کے اعتبار سے خطابۃ مصدر ہے، اس کا فعل (خَطَبَ) باب نَصَرَ سے آتا ہے۔ قَتَلَ یَقتُلُ کی طرح [1] یہ بنفسہ بھی متعدی ہوتا ہے اور حرف جر کے ساتھ بھی [2]

جوہری کے بہ قول خطب علی المنبر خطبۃ خ کے ضمے کے ساتھ اور خِطابۃ خ کے کسرے کے ساتھ ہے، عرب محاورے میں کہا جاتا ہے کہ فلان یخطب القوم جب کہ وہ کسی قوم کا متکلم ہو اور ان کی جانب سے ترجمان کے فرائض انجام دے رہا ہو، اس کی جمع خطباآتی ہے۔ [3]

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ عرب کے ہاں خطبہ مسجع نثری کلام کو کہا جاتا ہے۔ [4]

ابو منصور کا یہ کہنا ہے کہ خطبۃ خطیب کا مصدر ہے اور صرف اسی طریقے پر آتا ہے اور خطبہ کلام کا نام ہے جس کے ذریعے خطیب کلام کرتا ہے، پس اسے مصدر کی جگہ رکھ دیا گیا، اور یہ خلافِ قیاس ہے سوائے اس کے کہ اسم کو مصدر کے مقام پر رکھ دیا گیا ہے۔ [5] اور رجل خطیب بہترین خطیب کو کہا جاتا ہے۔ [6]

اصطلاحی معنی

خطابت کی اصطلاحی تعریف میں عطیہ محمد سالم تحریر کرتے ہیں:

> **ھی نوع من انواع المحادثات و قسم من اقسام النثر، ولون من الو انه الفنية تختص بالجماهير بقصد الاستمالة والتاثير** [7]
>
> خطابت گفتگو اور تخاطب کی مختلف انواع میں سے ایک نوع، نثر کی اقسام میں سے ایک قسم اور فنون کے متفرق رنگوں میں سے ایک رنگ ہے۔ جمہور، عامۃ الناس کو اپنی جانب متوجہ اور مائل کرنے اور اثر پذیری کے لئے اس فن سے کام لیتے ہیں۔

ابو زہرہ خطابت کی تعریف میں رقم طراز ہیں:

> **وھی علی ھذا صفة راسخة فی نفس المتكلم يقتدربها على التصرف فی فنون القول لمحاولة التاثيرفی نفوس السامعين، وحملهم على ما يراد منهم بترغيبهم اقناعهم** [8]
>
> یہ خطیب کی وہ قوتِ راسخہ ہے جس سے وہ طرح طرح کی باتوں کے فن پر قادر ہوتا ہے تاکہ وہ سامعین پر اثر انداز ہو سکے اور ان سے جو وہ چاہتا ہے اس پر انھیں مائل، راغب اور قائل کر سکے۔

ارسطو نے خطابت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> **القدرة على النظرفی كل مايوصل الى الاقناع فی ای مسئلة من المسائل** [9]
>
> خطابت ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے ان تمام امور پر نظر رہتی ہے جو سامعین کو ہر مسئلے میں مطمئن کرنے کے لئے درکار ہیں۔

ابن رشد کے نزدیک

---

1 ابن منظور،محمد بن مکرم بن علی، أبو الفضل، جمال الدین(م711ھ)۔ لسان العرب، نشر ادب الحوزۃ، قم ، ایران، ۱۴۰۵ھ، ج۱، ص ۳۶۱
2 ابن منظور، لسان العرب، ج۱، ص ۳۶۱
3 ابن منظور،لسان العرب، ج۱، ص ۳۶۱۔فیروز آبادی، شیخ مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، دار الفکر، بیروت، ج۱، ص ۶۳
4 ابن منظور،لسان العرب، ج۱، ص ۳۶۱
5 ابن منظور،لسان العرب، ج۱، ص ۳۶۱
6 ابن منظور،لسان العرب، ج۱، ص ۳۶۱
7 عطیہ محمد سالم، اصول الخطابۃ والانشائ، مکتبۃ دار التراث، مدینہ منورہ، ۱۹۸۸، ص ۹
8 أبو زہرہ، محمد. الخطابۃ: أصولہا وتاریخہا فی أزہر عصورہا عند العرب. قاہرہ ،دار الفکر العربی،ط: 1934ء، ص19
9 ارسطو طالیس، الخطابۃ، مترجم:عبد الرحمن بدوی۔دار القلم،قاہرہ،ص: ۹۰

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

هی قوة تتکلف الاقناع الممکن فی کل واحد من الاشیائ المفردة (10)

خطابت اس قوت کا نام ہے جس کی وجہ سے خطیب اشیائے مفردہ میں سے ہر ایک کے بارے میں سامعین کو مطمئن کرنے کے لئے درکار تمام امور پر قدرت رکھتا ہے۔

ایک اور تعریف کے مطابق

هی کلام منثور مؤلف یخاطب به الفرد الجماعة قصد الاقناع(11)

خطابت ایسا منضبط و مرتب کلام ہے جس کے ذریعے کوئی فرد قائل کرنے کی غرض سے کسی جماعت کو خطاب کرتا ہے۔

محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک علم خطابت کی صحیح اور پسندیدہ ترین تعریف یہ ہے:

وهو اصول و قواعد ترشد الانسان الی فن مخاطبة الجماهیر بطریقة القائه تشتمل علی الاقناع والاستمالة(12)

خطابت ایسے چند اصول و قواعد کا نام ہے جن کے ذریعے انسان ایک جم غفیر سے مخاطب ہونے کے لئے راہنمائی حاصل کرتا ہے۔

خطابت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ، خاص استعداد و صلاحیت کا نام ہے جس کے ذریعے ایک مبلغ اپنے مافی الضمیر کے اظہار، اپنے جذبات و احساسات دوسروں تک منتقل کرنے اور عوام الناس کو اپنے افکار و نظریات کا قائل بنانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ایک قادر الکلام خطیب اور شاندار مقرر مختصر وقت میں ہزاروں، لاکھوں افراد تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے اور اپنے عقائد و نظریات ان تک منتقل کر سکتا ہے۔ خطابت صرف فن ہی نہیں ہے بلکہ اسلام میں خطابت اعلیٰ درجہ کی عبادت اور عظیم الشان سعادت ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ ہستیاں جن کو میدانِ خطابت کے لیے پسند کیا جاتا ہے۔ شعلہ نوا خطباء حالات کا دھارا بدل دیتے ہیں، ہواؤں کے رخ تبدیل کر دیتے، معاشروں میں انقلاب بپا کر دیتے ہیں۔ تاریخ کے ہر دور میں خطابت کو مہتم بالشان اور قابل فخر فن کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اقوام و ملل اور قبائل کے امراء و زعما کے لیے فصیح اللسان خطیب ہونا لازمی امر تھا۔ قبل از اسلام زمانہ جاہلیت کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالیں تو اس دور میں بھی ہمیں کئی معروفِ زمانہ فصیح اللسان اور سحر بیان خطباء اس فن کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دورِ اسلام میں فنِ خطابت اپنے اوج کمال تک پہنچ گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ خود سحر آفرین اور دلنشیں اندازِ خطابت اور حسنِ خطابت کی تمام خوبیوں سے متصف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں وراثتِ نبوی کے تحفظ اور تبلیغ دین کے لیے ایسی نابغہ روزگار اور فرید العصر شخصیات کو پیدا فرمایا کہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیتوں اور اس کے ودیعت کردہ ملکۂ خطابت سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے پرزور انداز میں دعوت حق کو پیش کیا اور لوگوں کے قلوب واذہان کو کتاب و سنت کے نور سے منور کیا۔ ماضی قریب میں مولانا ابو الکلام آزاد، سید ابو بکر غزنوی، آغا شورش کاشمیری، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہم کا شمار میدان خطابت کے شہسواروں میں ہوتا ہے۔

عربی زبان کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ بہت سے محققین اسے سامی زبانوں کے مجموعے سے منسوب کرتے ہیں اور عربی کو سامی زبانوں کی ماں قرار دیتے ہیں۔ محققین اس امر کو ترجیح دیتے ہیں کہ عربی زبان سامی زبانوں میں سب سے پرانی زبان ہے۔ عثمانی دور کا مطالعہ کرنے والوں کا یہ ماننا ہے کہ یہ زمانہ عربی ادب کے انحطاط کا دور تھا۔ 18ویں صدی عیسوی میں اس رجحان سے خلاصی کا آغاز ہوا اور عربی زبان کے نئے مکاتب فکر نمایاں ہو کر سامنے آئے۔ یہ مغربی رومانوی ادب سے متاثر تھے۔ بعد ازاں عربی زبان کا یہ تجربہ احیاء سے تجدید کی جانب منتقل ہوا اور پھر جدیدیت تک پہنچا۔

خطابت کی اقسام

بنیادی طور پر خطابت کی چار اقسام ہیں جو درج ذیل ہیں:

---

10 ابن رشد، أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الشهير بابن رشد الحفيد (م: 595ھ) تلخیص الخطابۃ، قاہرہ،س۔ن۔ص ۱۵

11 عمیم الاحسان المجددی، قواعد الفقہ: بہ ذیل مادہ خطب، بیروت، دار الفکر

12 عبد الجلیل عبدہ شبلی، دکتور۔ الخطابة وإعداد الخطيب۔ ادر الشروق، 1981ء،ص ۱۳

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

۱۔ مکتوبی۔ ۲۔ حفظی۔ ۳۔ اعدادی۔ ۴۔ ارتجالی

خطابتِ مکتوبی

اس سے مراد وہ تقریر ہے جو پہلے سے لکھ لی گئی ہو اور سامعین کے سامنے پڑھ کر سنا دی جائے۔ اس میں کسی ایسی بات کے زبان سے نکل جانے کا اندیشہ نہیں ہوتا جسے کہنا مقصود نہ ہو لیکن یہ بالکل سطحی اور ابتدائی نوع ہے۔(13)

خطابتِ حفظی

اس سے مراد وہ خطابت ہے جو تحریر کی مدد سے نہیں، حافظے کے وسیلے سے دہرائی جائے۔ دوسرے لفظوں میں اسے رٹی ہوئی تقریر کہتے ہیں۔ یہ قسم فنی اعتبار سے مبتدی کی مشق کے لئے تو ٹھیک ہے لیکن اصل فن میں اس کی چنداں حیثیت نہیں۔(14)

خطابتِ اعدادی

یہ وہ خطابت ہے جس میں مواد اکٹھا کر کے پہلے سے تقریر کا ذہنی خاکہ تیار کر لیا جاتا ہے۔ اکثر مقرر آسانی اور سہولت کے خیال سے اہم نکات کو کاغذ کے ایک پرزے پر لکھ لیتے ہیں اور دورانِ تقریر اس پر نظر ڈالتے رہتے ہیں۔ اس میں نہ تو تقریر کو لکھ کر حرف بحرف پڑھ دیا جاتا ہے اور نہ لکھی ہوئی تقریر کو رٹ کر سنایا جاتا ہے۔(15)

خطابتِ ارتجالی

فی البدیہہ تقریر کو کہتے ہیں یعنی کسی موضوع پر بغیر کسی تیاری کے دفعتاً برجستہ بولنا۔ ارتجالی خطابت انسان کو دی گئی نعمتِ نطق کا نقطہ کمال ہے۔ یہ عوام الناس کو متاثر کرنے کا بڑا اچھا ذریعہ ہے۔(16)

فنِ خطابت کی ابتداء:

خطابت کب شروع ہوئی؟ مختصراً جب انسان نے بولنا شروع کیا۔ وہ شخص سب سے پہلا خطیب تھا جس نے سب سے پہلے ساتھیوں سے خطاب کیا یا انسانوں کا ایک مجمع جو اس کے گرد و پیش تھا، اس سے کلام کیا۔ انسان اور خطابت ہم عمر ہیں۔ دونوں کا ارتقائی سفر یکساں ہے۔ اس بات میں اختلافی رائے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ابلاغِ عامہ کا آغاز تقریر سے ہوا اور تحریر سے کہیں زیادہ تقریر کی عمر ہے۔ دونوں میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔

پہلے خطیب خدا کے پیغمبر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی فلاح کے لیے مبعوث کیا۔ تمام آسمانی کتب جو پیغمبروں پر نازل ہوئیں ان کا سراپا خطیبانہ ہے۔ ان کے لب و لہجہ میں ایک خطیب کی گونج اور گرج ہے۔ گو بعض صحائف ابتدائے زمانہ سے منحرف ہو گئے لیکن خطابت کی عمیق روح ان تمام کتب میں رچی بسی محسوس ہوتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے خطاب میں حکمت سے بھرپور عاجزی وانکساری:

اے برادران قوم! ذرا سوچو تو سہی کہ اگر میں اپنے رب سے ایک کھلی شہادت پر قائم تھا۔ اور پھر اس نے مجھے اپنی خاص رحمت سے نواز دیا مگر وہ تم کو نظر نہ آئی تو آخر ہمارے پاس کیا ذریعہ ہے کہ تم ماننا نہ چاہو اور ہم زبردستی اس کو تمہارے سر پر چیک دیں؟ اور اے برادران قوم! میں اس کام پر تم سے کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔

اور میں ان لوگوں کو دھکے دینے سے بھی رہا جنہوں نے میری بات مانی ہے۔ وہ تو آپ ہی اپنے رب کے حضور جانے والے ہیں۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو۔ اور اے میری قوم! اگر میں ان لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کی پکڑ سے مجھے کون بچائے گا؟ تم لوگوں کی سمجھ میں کیا اتنی سی

---

13 ابو لبابہ شاہ منصور،مفتی۔رہنمائے خطابت ، السعید، کراچی، س۔ن،ص: ۳۵
14 ایضا ، ص: ۳۵
15 ایضا ، ص: ۳۵
16 ابو لبابہ شاہ منصور،مفتی۔رہنمائے خطابت ، السعید، ص ۳۶

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

بات بھی نہیں آتی ؟ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ اور نہ یہ میرا دعوی ہے کہ میں فرشتہ ہوں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں انہیں اللہ نے کوئی بھلائی نہیں دی ہے۔ ان کے نفس کا حال تو خود اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کیوں تو ظالم ہوں گا۔[17]

حضرت ابراہیم کا والد سے خطاب:

اے ابا جان! آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں۔ ابا جان! میرے پاس تو ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا ہے۔ آپ میری پیروی کریں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔ اے ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں شیطان تو رحمان کا سخت نافرمان ہے۔ اے ابا جان مجھے ڈر ہے۔ کہ کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اور کہیں شیطان کے ساتھی بن کر نہ رہیں (اس پر باپ نے سختی سے ڈانٹا اور گھر سے نکل جانے کا حکم دیا) اس پر گھر سے نکلتے ہوئے حضرت ابراہیم نے کہا، اے ابا جان! سلام ہے آپ کو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو بھی چھوڑ تا ہوں اور ان ہستیوں کو بھی جنہیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پکار رہے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے نامراد نہ رہوں گا۔[18]

حضرت یوسف کا ساتھی قیدیوں سے خطاب:

اے زندان کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ ان کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو۔ وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی ہے۔ فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے بھی نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ بس یہی سیدھا طریق زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"[19]

لقمان کی نصیحت:

اے بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اے میرے بیٹے کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو۔ اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو۔ اللہ اس سے نکال لائے گا۔ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔ بیٹا نماز قائم کر نیکی کا حکم دے۔ بدی سے منع کر۔ اور جو مصیبت بھی پڑے اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر۔ زمین میں اکڑ کر نہ چال اللہ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر۔ اور اپنی آواز ذرا پست رکھ۔ ظاہر ہے کہ سب نے آوازوں سے زیادہ بڑی آواز گدھے کی آواز ہی ہوتی ہے۔[20]

حضرت موسیٰ کو فرعون سے خطاب:

اے فرعون! اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو میں تمہارے سامنے اپنی ماموریت کی صریح سند پیش کر چکا ہوں۔ اور میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں۔ اس سے کہ تم مجھ پر حملہ آور ہو۔ اور اگر تم میری بات نہیں مانتے تو مجھ پر ہاتھ ڈالنے سے باز رہو۔ (آخر کار اس نے اپنے رب کو پکارا یا رب یہ لوگ نافرمان ہیں تو پھر راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑو۔ تم لوگوں کا پیچھا کیا جائیگا۔ سمندر کو اس کے حال پر کھلا چھوڑ دے۔ یہ سارا لشکر غرق ہونے والا ہے پھر کتنے ہی سر و سامان ان کے دھرے رہ گئے۔ پھر نہ آسمان ان پر رویا۔ اور نہ زمین۔ اور نہ راسی مہلت بھی ان کو نہ دی گئی۔[21]

---

[17] ھود 25 تا 31
[18] مریم 43 تا 48/ 69 تا 75
[19] یوسف 39:12
[20] لقمان 12 تا 19
[21] الدخان 19 تا 20

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

عظیم مسلم سکالر علامہ شورش کشمیری اپنی کتاب فن خطابت میں لکھتے ہیں:

"اسلام نے جن مذاہب اور ان کے صحائف کا تذکرہ کیا ہے۔ ان سے قطع نظر، دوسرے مذاہب جنہیں صدیوں کے تھپیڑوں نے مسخ کر دیا اور پھر جن کی تعلیمات کو پتھروں اور دھاتوں سے اتار کر ان مذاہب کے دانشوروں نے مرتب کیا ان میں شروع سے آخر تک خطابت کا آہنگ ہے۔ ہر زبان کی نثر کا آغاز سماوی کتب سے ہوا پھر ان کے بعد السنہ شرقیہ کا ابتدائی ادب مزہبی رہا اس کا لہجہ خطیبانہ ہے۔ اب انسان نے قرطاس و قلم میں نفرادیت پیدا کرلی ہے جس سے زبان وبیان، اسلوب کی رنگارنگ شاخوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ تقریر کا مزاج تحریر سے مختلف ہے اور تحریر کے رنگ ڈھنگ تقریر سے جدا ہیں۔ پہلے خطابت میں یکسانی اور تنوع تھا۔ فن ایک ہی لیکن شاخیں متعدد ہو گئی ہیں۔ یہی معاملہ ادب کا ہے کہ نثر کئی خانوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور شعر کئی اصناف میں بٹ چکا ہے۔ شاعری کی طرح فن خطابت کا تانا بانا بھی خیالات و افکار، فصاحت وبلاغت ہیں۔ آزادی و شجاعت ہمت واولوالعزمی کے اظہار کا یہ ایک ذریعہ ہے۔ لوگوں کو اپناہم بنانے، دلائل سے خاموش کرنے اور اہم کاموں پر ابھارنے اور اکسانے کا یہ ایک کارگر حربہ ہے۔ اس فن کے لیے چرب زبانی، خوش بیانی اور برجستہ گوئی لازمی شرئط ہیں۔ عرب والے نہایت غیور وخدار اور احساس وبہادر تھے اور ان میں صفات بدرجہ خاص موجود تھیں، دیگر غیر متمدن اقوام کی طرح انہیں باپ دادا کے حسب نسب پر فخر، آبائی عزت و شرافت برقرار رکھنے کی خواہش اور اسی قسم کے دیگر اسباب و مقاصد، مثلا دو قبیلوں کے باہمی تعلقات کی اصلاح، قبائل کے سرداروں اور اپنے نوابوں یا حکمرانوں اور ان کے نائبوں کے مابین سفارت وغیرہ کی بناپر خطابت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چناچہ انہیں اس فن میں کامل مہارت اور نمایاں سبقت حاصل ہو گئی تھی۔ وہ بچپن ہی سے اپنے بچوں کی تربیت میں خطابت کا ملکہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ ہر قبیلے میں ایک مقرر (خطیب) اور ایک شاعر ہو جو ان کی تقویت کا باعث ہو اور ان کیا ذکر بلند کرنے کا سبب ہو چناچہ کبھی کبھی یہ دونوں صفات ایک شخص میں جمع ہو جاتیں تھیں۔"[22]

چنانچہ ایک معروف مصری ادیب شیخ احمد سکندری نے قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں ان میں خطابت کے جن طبعی اسباب کا ذکر کیا ہے سے چند یہ ہیں:

1۔ اہل عرب چونکہ ناخواندہ تھے اس لیے عموماً مجبور تھے کہ آلہ کتابت قلم کے عوض زبان سے کام لیں جو آلہ گفتار ہے۔

2۔ چونکہ وہ لوگ مستقل قبیلوں، چھوٹے چھوٹے خاندانوں اور جنگجو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اس لیے ان کی ہر جماعت اور گروہ کے لیے یہ بالکل آسان تھا کہ ایک مقام پر جمع ہو کر خطیب کی بات کو سن لیں۔

3۔ ان لوگوں میں میل ملاپ کے منظم ذرائع موجود نہ تھے اور ڈاک وغیرہ کا انتظام بھی نہ تھا اس نہیں ایسے پیغام رساں کی اشد ضرورت تھی اس لیے جو ممتاز اور نامور ہو، فصیح اللسان اور قوی دلائل پیش کر سکتا ہو۔[23]

عربوں کی خطابت کا منفرد اسلوب:

اپنی تقریروں میں وہ دل نشین اسلوب، سحر بیانی، سلیس عبارت، خوشنما الفاظ، صاف صاف باتیں چھوٹے چھوٹے ہم وزن پر کشش جملے اور زیادہ ضرب الامثال استعمال کرتے تھے۔ ذہن نشین کرانے اور ہر دل عزیز بنانے کے لئے تقریروں میں اختصار کو مدنظر رکھتے تھے۔

مقرر کا مناسب جگہ کا انتخاب کرنا:

عربوں میں دستور تھا کہ مقرر اونچی جگہ کھڑے ہو کر یا سواری پر بیٹھ کر تقریر کرتا تھا۔

مقرر کا حرکات سکنات کا لحاظ رکھنا:

تقریر کے دوران ہاتھ ہلانا، مناسب اشاروں سے مفہوم کو واضح کرنا ہاتھ میں عصا یا نیزہ اور تلوار کا سہارا لینا یا ان سے اشارہ کرنا بھی ان کے ہاں رائج تھا۔

[22] فن خطابت از علامہ شورش کشمیری صفحہ15 ،16 دارالکتاب دیوبند یوپی

[23] الوسیط فی االدب العربی و تا ریخہ از شیخ احمد االسکندری، تر جمہ پرو فیسر عبد القیوم صفحہ 51

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

زمانہ جاہلیت کے چند مشہور مقررین:

وہ مقرران میں درجہ قبولیت حاصل کرتا تھا جو خوش وضع اور خاش شکل ہونے کے ساتھ بلند آواز، خوش بیان، دلیر اور بے باک ہوتا، زمانہ جاہلیت ان کے مشہور مقررین ذکر کیے جارہے ہیں؛

قس بن ساعدہ الایادی	عمرو بن کلثوم التغلبی	اکثم بن صیفی التمیمی
حارث بن عباد البکری	قیس بن زہیر العبسی	عمرو بن معدیکرب الزبیدی رضی اللہ عنہ ہیں۔

قس بن ساعدہ الایادی

یہ نجران کا بڑا پادری اور عرب کا مشہور فلسفی اور بیخ تھا۔ خدا پر پورا یقین رکھتا تھا اور وعظ کے ذریعہ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا تھا، اس متعلق مشہور ہے کہ اونچی جگہ کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی ابتداء اسی نے کی ۔ تلوار کا سہارا لینا اور خطبہ میں "امابعد" کہنا بھی اسی کی ایجاد ہے۔ نبی کریم ﷺ نے عکاظ کے اجتماع میں جب اس کی تقریر سنی تو پسند فرمائی۔ ﷺ کا فرمان فرامی ہے "خدا قس پر رحم فرمائے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن وہ تنہا ایک قوم کی جگہ اٹھایا جائے گا"۔ وقتاً فوقتاً قیصر کے دربار میں جاتا تھا جہاں قیصر اس کا اعزاز واحترام کرتا تھا۔

مشہور تقریر:

خطب قُس بن ساعدة الإيادي بسوق عكاظ، فقال :

"أيها الناس اسمعوا وعوا، من عاش مات، ومن مات فات، وكل ما هو آت آت، ليل داج، ونهار ساج، وسماء ذات أبراج، ونجوم تزهر، وبحار تزخر، وجبال مرساة، وأرض مدحاة، وأنهار مجراة.

إن في السماء لخبرا، وإن في الأرض لعبرا، ما بال الناس يذهبون ولا يرجعون؟! أرضوا فأقاموا أم تركوا فناموا، يقسم قس بالله قسما لا إثم فيه إن لله دينا هو أرضى له وأفضل من دينكم الذي أنتم عليه، وإنكم لتأتون من الأمر منكرا.

ويروى أن قسا أنشأ بعد ذلك يقول :

في الذاهبين الأولين — من القرون لنا بصائر
لما رأيت مواردا — للموت ليس لها مصادر
ورأيت قومي نحوها — تمضي الأكابر والأصاغر
لا يرجع الماضي إليَّ — ولا من الباقين غابر
أيقنت أني لا محالة — حيث صار القوم صائر [24]

قس بن ساعدہ نے سوق عکاز میں خطبہ دیا، اور فرمایا۔

اے لوگو سنو اور آگاہ ہو جاؤ، جو زندہ ہے وہ مرے گا، اور جو مرے گا وہ دنیا سے چلا جائے گا، اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا، یہ تاریک رات، یہ روشن دن، یہ برجوں والا آسمان، یہ چمکنے والے ستارے، یہ موجیں مارنے والے سمندر، یہ جمے ہوئے پہاڑ، ہموار پھیلی ہوئی زمین، اور ایک کہکشاں کے دریا۔

آسمان میں خبر ہے زمین میں عبرت ہے تو لوگ کیوں جاتے ہیں واپس نہیں آتے؟ مطمئن رہو اور ٹھہر و یا چھوڑ دو اور سو جاؤ، قس خدا کی قسم کھاتا ہے جس میں کوئی گناہ نہیں ہے اس کے لیے خدا کے پاس ایک ایسا مذہب ہے جو اسے زیادہ پسند ہے اور تمہارے اس مذہب سے بہتر ہے جس پر تم ہو۔

روایت ہے کہ اس کے بعد قس نے کہا:

[24] تاریخ ادب عربی از احمدحسن زیارت ترجمہ عبدالرحمن طاہرسورتی مؤسس انجمن ترقی عربی پاکستان صحفہ 66

پہلی دو صدیوں میں ہمارے پاس عبرت خیز انجام ہیں۔
جب میں نے موت کے لیے ایسے وسائل دیکھے جن کے کوئی ذرائع نہیں ہیں۔
اور میں نے اپنے لوگوں کو بوڑھے اور جوانوں کو اس کی طرف چلتے ہوئے دیکھا
کوئی جا کر ہمارے پاس نہیں آتا اور نہ پسماندوں میں کوئی باقی رہنے والا ہے
تو مجھے یقین آ گیا کہ جو تمام قوم کا نتیجہ ہوا وہی بالضرور میرا بھی ہو گا۔

اسلام سے قبل عرب تاریخی کا ممتاز خطبہ:

اس سلسلہ میں جناب ابو طالب کا وہ خطبہ معروف ہے جو انہوں نے آنحضور ﷺ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے نکاح کے موقع پر دیا تھا۔

"اَلْحَمْدُ لِله الَّذِیْ جَعَلَنَا مِنْ ذُرِیةِ اِبرَاھِیْم ، وَ زَرْعِ اِسمَا عِیْلَ ، وَضِئضِئَ مَعَدّ ، وَ عُنْصرِ مُضَر، وَجَعَلَنَا حَضنَةَ بَیتِه، وَسَوَّاسَ حرمِه، وَجَعَلَ لَنَا بَیتًا مَحجُوْجاً وَ حَرَمًا اٰمِنًا، وَجَعَلَنَا الحُکَّامَ عَلَی النَّاسِ ، ثُمَّ اِنَّ اِبْنَ اَخِیْ ھٰذا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللهِ (صَلَی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) لَا یُوْزَنُ رَجُل اِلَّا رَجَحَ بِه، وَاِنْ کَانَ فِي الْمَالِ قُلاً،فَاِنَّ المَالَ ظِلُّ زَائِلُ، وَاَمْرُ حَائِل، وَمُحَمّدُ(صَلَی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) مَنْ قَدْ عَرَفتُم قَرَابَتَهُ وَقَدْ خَطَبَ خَدِیْجَة بِنْتِ خُوَیلَد ، وَقَدْ بَدَّلَ لَہَا مِنَ الصِّدَاقِ مَا اٰجلَهُ وَعَاجَلَهُ اِثْنَتَا عَشَرَةَ اَوْقِیَةَ ذَھَبًا وَ نَشَاء وَھُوَ وَاللهِ بَعْدَ ھٰذَا لَهُ نَبَاءٌ عَظِیْمُ وَخَطَرُجَلِیْل"[25]

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ابراہیم)کی اولاد سے، اسماعیل(کی کھیتی سے اور معد کی نسل سے خضانہ اور مضر کی اصل سے پیدا فرمایا نیز ہمیں اپنے مقدس گھر کا پاسبان اور اپنے حرم کا منتظم مقرر کیا، ہمیں ایک ایسا گھر دیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم بخشا جہاں امن میسر آتا ہے نیز ہمیں لوگوں کا حکمران مقرر فرمایا۔ حمد کے بعد میرا یہ بھتیجا جس کا نام محمد بن عبد اللہ) ﷺ (ہے اس کا دنیا کے جس بڑے سے بڑے آدمی کے ساتھ موازنہ کیا جائے گا اس کا پلڑا بھاری ہو گا۔ اگر یہ مال دار نہیں تو کیا ہوا مال تو ایک ڈھلنے واال سایہ اور بدل جانے والی چیز ہے اور محمد) ﷺ (جس کی قرابت کو تم خوب جانتے ہو اس نے خدیجہ بنت خویلد)کارشتہ طلب کیا ہے اور 340 گرام سونا مقرر کیا ہے۔ ساڑھے بارہ اوقیہ تقریبا(اور بخدا مستقبل میں اس کی شان بہت بلند ہو گی اور اس کی قدر و منزلت بہت جلیل ہو گی۔"

عمرو بن معد یکرب الزبیدی رضی اللہ عنہ

عمر بن معد الزبیدی یمن کا شہسوار، عرب کا پر زور مقرر اور جنگ قادسیہ کا ہیرو ہے۔ اس کا سلسلہ نسب قحطان سے جا ملتا ہے۔ 9ھ میں غزوہ تبوک کے بعد ہی نبی ﷺ سے ملا اور اپنی قوم کے ساتھ اسلام لے آیا۔ لیکن وہ دل جو جاہلیت خالصہ میں پل کر بوڑھا ہو گیا ہو، انسانوں کے گوشت اور خون سے کھیلا ہوئی نوشی اور کھیل کو دپر جان فدا کرتا ہو، دین کے آگے سچائی اور نیک نیتی سے سر تسلیم خم نہیں کر سکا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد وہ مرتد ہو گا گیا مگر پھر حق کی طرف رجوع کر لیا اور خدا کی رہ میں تن من دھن کی بازی لگا دی۔ ایک سو دس برس کی عمر میں جنگ قادسیہ میں حصہ لیا وہاں بہادری کے جوہر دیکھائے 643ء میں انتقال ہوا۔

مشہور تقریر:

حضرت نعمان بن منذر رضی اللہ عنہ نے ان کو نامور لیڈر اور شاعر میں شمار کیا جن کو مدائن میں نوشیرواں کے پاس بھیجا تھا تاکہ یہ وفد عرب پر نعمان بن منذر کے دعویٰ کو سچا ثابت کرے۔ وہاں پہنچ کر عمرو بن معد نے یہ تقریر کی؛

[25] محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی ﷺ، مکتبہ ضیاء القرآن، لاہور، 1420ھ، جلد 2، صفحہ 136

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"آدمیت کا دارومدار انسان کی دو چھوٹی چیزوں پر ہے اور وہ دل و زبان ہے یہ راستی و صداقت بات کو موثر و دل نشین بنا دیتے ہیں منزل مقصود کو پہنچنا تلاش و جستجو پر موقوف ہے آمد اور آورد سے بہتر ہے اپنی معلومات کے حدود اندھا دھند سر گردانہ کی زحمت سے بہتر ہے۔ بادشاہ سلامت! ہمارے دلوں کو اپنی باتوں سے موہ لیجئے اور جلدی میں ان سے جو لغزشیں ہو جائیں ان کو بردباری سے کام لیتے ہوئے ضبط کیجئے ہمارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیجئے تو ہم با آسانی آپ کے فرماں بردار ہو جائیں گے اور جان لیجیے کہ ہم وہ لوگ ہیں کہ ٹھونگیں مار کر ہمارے سخت پتھر کو کچلنے کا ارادہ کرنے والے ہم کو گزند نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ جو ہمیشہ نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں ہم اس کے مقابلے میں پوری طرح اپنی حفاظت و مدافعت کر کرتے ہیں۔"

عہد نبوی ﷺ میں خطابت:

رسول اکرم ﷺ جس دور میں اس دنیا میں تشریف لائے اُس وقت عربوں کے ہاں خطابت اور شاعری کو بہت اہم مقام حاصل تھا، ادب کے ان دونوں شعبہ میں فصاحت و بلاغت کو بہت حد تک پیش نظر رکھا جاتا۔ اس دور کے تقاضوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کو قرآن مجید کی صورت میں عظیم معجزہ عطا فرمایا اور اسی بنیاد پر آپ کو فصاحت و بلاغت کے اوصاف سے بھی نوازا گیا۔ فصاحت و بلاغت کی بنا پر آپ ﷺ کا فن خطابت بھی کمال کا تھا یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے عربوں میں خطابت میں رائج معائب کی بھی نشاندہی فرمائی۔ آپ ﷺ کی خطابت کی خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1: عالم ہونا

خطیب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا علم وسیع ہو اس لیے کہ علم کی وسعت سے خطیب میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور اس طرح خطبہ میں بیان کردہ معلومات پر لوگ یقین بھی کریں گے جبکہ کم علم خطیب اپنے خطاب میں متعدد غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی خطابت میں یہ حسن درجہ کمال کا تھا، جب خطابت کا کمال علم سے ہے تو آپ کا علم میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ تفسیر خازن میں سورۃ آل عمران کی آیت 179 کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ: ایک بار چند منافقین نے آپ ﷺ کے علم کے بارے میں کئی طرح کی باتیں کیں۔ جب آپ ﷺ کو اس بارے میں علم ہوا تو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"مَا بَالَ اَقوَامُ طَعَنُوْا فِی عِلْمِی لَا تَسئَلُوْ نِی عَنْ شَیئٍ فِیْمَا بَیْنَکم وَبَیْنَ السَّاعَةِ اِلاَّ نَبَّاتُکُم بِه"[26]

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے علم میں طعن کرتے ہیں لہذا اس وقت سے قیامت تک جو بھی خبریں ہیں کسی چیز کے بارے تم مجھ سے پوچھو تو میں اس کی خبر دوں گا۔ یہ سُن کر عبد اللہ بن حذافہ السہمی کھڑا ہوا اور پوچھنے لگا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حذافہ۔"

2۔ عدم لحن

عدم لحن یعنی الفاظ کی مخارج کے لحاظ سے درست ادائیگی کرنا اور اس ادائیگی میں کسی قسم کا عیب نہ ہونا ہے آپ ﷺ کی خطابت کی بڑی خصوصیت تھی۔ ایک بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کی کہ میں نے آپ ﷺ سے بڑھ کر کسی شخص کو فصیح و بلیغ نہیں دیکھا تو اس کے جواب میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وَمَا یَمنعُنِی وَ اِنَّمَا اُنزِلَ القُرْآنُ بِلِسَا نِیْ لِسَا نِ عَرَبِیٍّ مُبِیْنٍ"[27]

"میری فصاحت میں کیا شے مانع ہو سکتی ہے؟ قرآن حکیم میری زبان میں نازل ہوا جو عربی مبین میں ہے"

26 ا خازن، امام علاؤ الدین علی بن محمد ابرا ہیم ، تفسیر لباب التاویل فی معا لم التنزیل المعروف بتفسیر خازن، دار المعرفۃ ، جلد 1،صفحہ 308
27 عیاض ما لکی قا ضی ، الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ ، فاروقی کتب خا نہ ، ملتان جلد 1، صفحہ 47

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

3۔ متعدد زبانوں پر عبور

آپ ﷺ نہ صرف دیگر زبانوں کے عالم تھے بلکہ ان زبانوں کے حروف کی ادائیگی بھی درست طریقے سے ادا فرماتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے فرمایا:

"وَمَآ اَرْسَلنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ"[28]

"اور ہم نے تمام رسولوں کو بھی ان ہی کی قومی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ اُن سے (احکام الٰہیہ) کو بیان کریں"

4۔ شیریں زبان

خطابت انسان کے کلام سے مترکب ہوتی ہے جس انسان کی عام حالات میں کلام میں شیرینی ہو تو اس کی خطابت میں بھی وہی چاشنی ہوتی ہے، حالانکہ آپ ﷺ اپنے خطابات میں ترنم استعمال نہیں فرماتے تھے۔ کلام کی شیرینی کی وجہ سے سامع دوران ساعت ہمہ تن گوش ہو جاتا اور توجہ سے آپ کے کلام کو سنتا۔

سفر ہجرت میں قدید کے علاقے سے جب آنحضور ﷺ گزرے تو آپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک خاتون اُم معبد عاتکہ بنت خالد کی قیام گاہ میں تشریف لے گئے اور اس سے کھانے کے لیے کچھ اشیاء کے بارے پوچھا، جس پر اُس نے قحط کی بنا پر معذرت چاہی۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے صحن میں ایک کمزور بکری دیکھی جو نقاہت کے باعث دودھ دینے کے قابل نہیں تھی، لیکن آپ ﷺ نے اس سے اس بکری کا دودھ دوہنے کی اجازت چاہی۔ جس کے بعد آپ ﷺ نے اس بکری کے تھنوں پر اپنا دستِ مبارک پھیرا اور آپ ﷺ نے دودھ دوھویا۔ جسے آپ ﷺ نے خود پیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی پلایا اور اس عورت کو بھی ایک برتن میں ڈال کر دیا اور اس کے بعد آپ ﷺ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب اُم معبد کا شوہر گھر واپس آیا تو اس سے اپنے شوہر کو سارا واقعہ سنایا اور آپ (ﷺ) کے اوصاف ان الفاظ میں بیان کیا؛

"رَاَيت رَجُلاً ظَا هِرَالوَضَاۃِ حَسَنَ الخُلُقِ مَلِيحَ الوَجهِ لَم تَعِبهُ ثَجلَۃُ وَلَم تُزرِبه صَعلَۃُ قَسِيمُ وَسِيمُ فِی عَينِيه دَعَجُ وَفِی اَ شفَارِه وَطَفُ وَفِی صَوتِه صَحَلُ اَحوَلُ۔ اَكحَلُ اَزَجُ۔ اَقرَنُ وَفِی عُنُقِه سَطَحُ وَفِی لِحيَتِه كَثَا ثَۃُ اِذَا صَمَتَ فَعَلَيهِ الوَقَارُوَاِذَا تَكَلَّمَ سَمَا وَعَلَاهُ البَهَاءُ حُلُوا المَنطِقِ فَصلُ لَا نَزرُوَلَا هَذَر[29]

''میں نے ایک ایسا شخص دیکھا ہے جس کا حسن و جمال نمایاں تھا۔ چہرہ روشن تھا، اخلاق پاکیزہ تھا، خاموشی میں اس کا وقار تھا اور گفتگو میں اس کی آواز گردو پیش پر چھا جاتی تھی۔ گفتگو ایسی تھی کہ زبان سے موتیوں کی لڑی سلسلہ وار نکلتی چلی آرہی ہو۔ کلام نہایت شیریں اور واضح تھا، نہ کم گو اور نہ کثیر الکلام، دور سے آواز سب سے زیادہ بلند مگر خوش آہنگ محسوس ہوتی اور قریب سے بہت شیریں لطیف تھی۔"

5۔ جہر الصوت ہونا

جہر الصوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ کوئی خطیب جہاں خطبہ دے تو تمام حاضرین و سامعین تک اُس کی آواز پہنچے۔ رسول کریم ﷺ کی خطابت میں یہ خصوصیت بدرجہ اَتم پائی جاتی تھی۔ حضرت عبد الرحمن معاذ التیمیؒ سے روایت ہے:

"خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ بِمِنَىً فَفُتِحَت اَسمَاعُنَا حَتّٰى كُنَّا نَسمَعُ مَا يَقُولُ وَنَحْنُ فِی مَنَازِلَنَا وَطَفِقَ يُعَلِّمُهُم مَنَاسِكَهُم حَتّٰى بَلَغَ الجِمَارَوَضَعَ اصبُعَيهِ السَّبَا بَتَينِ ثُمَّ قَالَ: بِحَصَى الحَذف ثُمَّ اَمَرَالمُهَا جِرِيْنَ فَنَزَلُوْامَقدَّمِ المَسجِدِ اَوَاَمَرَ الاَنْصَارَاَن يَنْزِلُوا مِنْ وَرَاءِ المَسْجِدِ قَالَ: ثُمَّ نَزَلَ النَّاسُ بَعْد "[30]

---

[28] ابرا ہیم14 :4
[29] حا کم ابو عبد اللہ نیشا پوری امام، المستدرک علی الصحیحین، دار المعرفۃ ،جلد 3، صفحہ 9-11
[30] البیہقی ،احمد بن الحسین، امام السنن الکبریٰ، دار الفکر ،جلد 5، صفحہ 138-139

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"حضرت عبد الرحمن معاذ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے منیٰ میں خطاب فرمایا۔ ہم منیٰ میں تھے اور ہماری سماعتیں تیز ہو گئیں حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرماتے ہم (صحیح صحیح) سن رہے تھے حالانکہ ہم اپنے مقامات پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں حج کے طریقے سکھا رہے تھے حتیٰ کہ جمرہ کے قریب پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں شہادت کی اُنگلیوں کو رکھا پھر کنکری پھینک کر بتایا، پھر مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے سامنے والے حصے میں اُتریں اور انصار کو حکم دیا کہ وہ مسجد کے پچھلی طرف اُتریں۔ فرماتے ہیں پھر اس کے بعد باقی لوگوں نے بھی پڑاؤ ڈال دیا۔"

6۔ کلام میں جامعیت

خطاب میں کلام کا جامع ہونا بلند پایہ خطیب کی علامت ہوتی ہے۔ جامع کلمات کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الكَلِمِ"[31] "مجھے اللہ تعالیٰ نے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات کی اتنی صلاحیت عطا فرمائی کہ نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات جامع ہوتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسلوب نے عربوں کے جامع کلمات کو خوبصورت بنایا جیسے اہل عرب کسی قبیلہ کے لوگ کسی وصف میں مساوی ہوتے تو اس کا اظہار اس طرح کرتے:

"سَوَاء كَأَسنَانِ الحِمَارِ فَلَا تَرَىٰلِذِي شَيبَةٍ مِنْهُم عَلَى نَا شِيءِ فَضلاً"

"اس قبیلے میں جوان اور بوڑھے لوگ فضل میں گدھے کے دانتوں کی طرح برابر ہیں۔"

اسی تشبیہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

"اَلنَّاسُ كُلُّهُم سَوَاءٌ كَأَسْنَانِ المُشْطِ"[32] "تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح مساوی ہیں"

گدھے کے دانتوں اور کنگھی کے دندانوں میں موخر الذکر مشبہ بہ ہر لحاظ سے خوبصورت اور بلیغ ہے۔

7۔ دوران خطابت چہرے کے تاثرات دینا

ایک بلند پایہ خطیب دوران خطابت الفاظ کے بیان کے ساتھ ساتھ اپنے جسم اور خصوصاً چہرے کے تاثرات کا ضرور اظہار کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوران خطابت اپنے چہرہ مبارک سے بیان مضمون کے مطابق تاثرات کا اظہار فرماتے۔ دوران خطابت جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوش میں آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں، آواز گرج دار اور بلند ہو جاتی۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جس میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِحمَرَّتْ عَينَاهُ، وَعَلَا صَوتُه، وَاشتَدَتْ غَضبه حَتّٰى كَاَنَّه مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ: صَبَّحَكُم مَسَّاكُم وَيَقُوْلُ: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةِ كَهَا تَيْنِ"[33]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سُرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہوتی اور جوش زیادہ ہوتا اور یوں لگتا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسے لشکر سے ڈرا رہے ہوں جو صبح و شام میں حملہ کرنے والا ہو۔ اور فرماتے: میں اور قیامت ان انگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ چہرے کے تاثرات کے علاوہ دوران خطبہ جہاں ضروری سمجھتے اپنے ہاتھوں سے اشارہ بھی کرتے۔"

8۔ مواد خطبہ کو قصیر یا طویل کرنا

خطیب کا یہ کمال بھی ہوتا ہے کہ وہ موضوع کے مطابق اپنے خطبہ کو مختصر کرے یا طویل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کو دیکھنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موقع محل اور موضوع کی ضرورت کے مطابق اپنا موادِ خطبہ کم کرتے یا طویل۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طویل خطبہ کے بارے حضرت ابو زید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

[31] بخاری، محمد بن اسما عیل امام، الجا مع الصحیح ،دارالسلام، کتاب الا عتصام با لکتاب والسنۃ، رقم الحدیث: 7273

[32] الجاحظ، ابو عمرو، البیان والتبیین، جلد 2، صفحہ 12

[33] مسلم بن الحجا ج امام، الجا مع الصحیح، دار السلام ، کتاب الجمعۃ،باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ، حدیث نمبر 2005

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

"صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ الفَجرَ وَصَعِدَ المِنبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُهرُ، فَنَزَلَ فَصَلّٰى ثُمَّ صَعِدَ المِنبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ العَصرَ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى، ثُمَّ صَعِدَ المِنبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمسُ فأخبَرَنَا بِمَا كَانَ هُوَ كَائِنٌ فأعلَمُنَا احفَظُنَا"[34]

"ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ آپ ﷺ منبر سے نیچے تشریف لے آئے، نماز ادا کی اور پھر منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور اپنے خطبہ کو جاری رکھا یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا۔ اس دوران آپ ﷺ نے جو کچھ پہلے ہوا اور جو آئندہ ہونے والا تھا سب کچھ بتا دیا۔ ہم نے یہ سب کچھ جان لیا اور اُسے یاد بھی کر لیا۔"

گویا یہ خطبہ اتنا طویل تھا کہ اس خطبہ کے دوران آپ ﷺ نے مسلسل تمام نمازیں وقفہ ڈال کر ادا فرمائیں اور نماز سے فارغ ہوتے ہی سلسلہ کلام کو وہیں سے شروع فرماتے جہاں سے آپ چھوڑتے تھے۔ اسی طرح خطبہ حجۃ الوداع بھی آپ ﷺ کے طویل خطبہ کی ایک مثال ہے۔

9۔ سہل انداز کلام

حضور اکرم ﷺ کے خطبات کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ ان خطبات میں آپ ﷺ سہل انداز کلام کو اختیار فرماتے اور کسی شخص کو بھی سمجھنے میں دقت پیش نہ آتی، بلکہ وہ آپ ﷺ کی باتوں کو بآسانی ذہن نشین کر لیتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں

"مَا كَانَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يَسرُدُ سَردَكُم هٰذَا وَلٰكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ يُبَيِّنُهُ، فَصل يَحفَظُهُ مَن جَلَسَ اِلَيهِ[35] "

" آپ ﷺ کی گفتگو میں لوگوں کی طرح لگاتار اور جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا جو پاس بیٹھنے والے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے"

10۔ لوگوں کی علمی لیاقت وشعور کے مطابق گفتگو کرنا

خطابت نبوی کا حسن کمال تھا کہ آپ ﷺ کبھی سامعین کی سمجھ سے بالا کوئی بات نہ فرماتے، حالانکہ آپ ﷺ دنیا میں تمام انسانوں میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا :

"أمِرْتُ أنْ أخَاطِبَ النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عُقُوْلِهِم"[36] "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل کے مطابق خطاب کروں"

تقابل فن خطابت عہد جاہلیت اور عہد نبوی

رسول اکرم ﷺ نہ صرف دنیا کے ایک عظیم خطیب تھے بلکہ آپ ﷺ نے اپنے دور کے خطبا کی خطابت میں موجود چند معائب کی بھی نشاندہی کرنے کے علاوہ اُن کی اصلاح کی۔ جیسے جاہلی دور کے خطبا کا ایک فن یہ بھی تھا کہ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر باتیں کرتے اور دوران خطابت باچھیں کھولتے اور اپنے ہونٹوں کو لٹکانے میں بہت مبالغہ سے کام لیتے۔ ان قباحتوں کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ اللهَ يُبغَضُ البَلِيغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِى يَتَحَلَّلُ بِلِسَا نِه تَخَلُّلَ البَا قَرَةِ بِلِسَانِهَا "[37]

34 صحیح مسلم ، كتاب الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، رقم الحديث: 7267
35 جا مع التر مذى، ا بواب المناقب، با ب قول عا ئشة ماكان يتكلم بكلا م بنبه، رقم الحديث: 3639
36 الديلمى ابو شجا ع شيرويه بن شهردار، الفردوس بما ثور الخطاب، دار الكتب العلمية
37 سنن ابي داؤد ، كتاب الادب ، با ب ما جا ء فى التشدق فى الكلام، رقم الحديث:5005

"بے شک اللہ بہت تر پڑ باتیں کرنے والے لوگوں سے دشمنی رکھتا ہے جو اپنی زبان کو اس طرح پھراتے ہیں جیسے گائے (گھاس کھانے میں) چپڑ چپڑ کرتی ہے۔"

یعنی بے سوچے سمجھے جو جی میں آتا ہے بکے جاتے ہیں۔

بہر حال جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو منصب نبوت کا خاتم بنا کر اس دنیا میں مبعوث فرمایا اسی طرح دیگر تمام اوصاف میں بھی آپ ﷺ کو خاتم بنایا۔ اور یوں آپ ﷺ خاتم الخطباء بھی قرار پاتے ہیں۔ خطابت نبوی کے کمالات کا بیان علامہ قاضی عیاض نے بڑے خوبصورت الفاظ میں اس طرح کیا ہے:

"وَاَمَّا فَصَاحَةُ اللِّسَانِ وَبَلَاغَةُ الْقَوْلِ فَقد كَانَ صَلَّى الله عَلَيهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذٰلِکَ بِالمَحَلِّ الاَفْضَلِ وَالمَوْضِعِ الَّذِى لَايُجْهَلُ سَلَاسَةَ طَبْعٍ وَبَرَاعَةِ مَنْزَعٍ وَاِيجَازَ مَقْطَعٍ وَ نَصَاعَةَ لَفظٍ وَجَزَالَةَ قَوْلٍ وَصِحَّةَ مَعَانٍ وَقِلَّةَ تَكَلُّفٍ أُوْتِىَ جَوَامِعَ الكَلِمِ وَخُصَّ بِبَدَائِعِ الحِكَمِ وَعُلِّمَ اَلسِنَةَ العَرَبِ فَكَانَ يُخَاطِبُ كُلَّ أُمَّةٍ مِنْهَا بِلِسَانِهَا وَيُحَاوِرُهَا بِلُغَتِهَا وَيُبَارِيهَا فِى مَنْزَعِ بَلَاغَتِهَا حَتّٰى كَانَ كَثِيْرٌ مِنْ أَصحَابِهِ يَسئلُوْنَهُ فِى غَيْرِ مَوطِنٍ عَنْ شَرْحِ كَلَامِهِ وَتَفسِيرِقَوْلِه مَنْ تَأَمَّلَ حَدِيْثَهُ وَسِيَرَهُ عَلِمَ ذٰلِکَ وَتَحَقَّقَهُ وَلَيسَ كَلَامِهِ مَعَ قُرَيْشٍ وَالاَنْصَارِ وَأَهلِ الحِجَازِ وَنَجْدٍ كَكَلَامِهِ مَعَ ذِي المِشَارِ الهَمدَانِى وَ طِهْفَةَ النُّهدِيّ وَقَطَنِ بْنِ حَارِثَةَ العُلَيْمِى وَالاَشْعَثِ بِن قَيسٍ وَوَائِلِ بْنِ حُجرِ الْكِنْدِيّ وَ غَيْرِهِم مِنْ اِقيَالِ حَضرَ مَوتَ وَمُلُوْکِ اليَمَنِ"[38]

"نبی کریم ﷺ فصاحت و زبان اور بلاغت کلام میں ایسے بلند اور ارفع مقام پر فائز تھے جہاں سلاست طبع، فصاحت کاملہ، ایجاز، موزوں الفاظ کا انتخاب، جزالت کلام، قلت تکلف اور صحت معانی کی ہر خوبی موجود تھی۔ پھر آپ ﷺ کو جوامع الکلم بھی عطا کیے گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عرب کی تمام زبانیں سکھادیں تھیں اور آپ ﷺ ہر قوم کے محاورے اور روز مرہ کا استعمال فرماتے۔ حتی کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کلام کی شرح دریافت کرنا پڑتی اور آپ ﷺ کے ارشاد گرامی کی توضیح و تشریح کے خواستگار ہوتے۔ منقول ہے کہ آپ ﷺ کا کلام اس وقت مختلف نوعیت کا ہوتا جب آپ ﷺ ذی المشتعار ہمدانی، طہفۃ النہدہ، قطن بن حارثہ، اشعث بن قیس اور وائل بن حجر الکندی کے ساتھ گفتگو فرماتے، جو حضر موت اور یمن کے روسا میں سے تھے۔"

عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں فن خطابت:

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا نجاشی کے دربار میں تاریخی خطاب:

قال جعفر بن أبي طالب :

" أيها الملك كنا قومًا أهل جاهلية؛ نعبد الأصنام ونأكل الميتة، ونأتى الفواحش، ونقطع الأرحام، ونسيء الجوار، ويأكل منا القوى الضعيف، فكنا على ذلك حتى بعث الله إلينا رسولًا منا، نعرف نسبه وصدقه وأمانته وعفافه، فدعانا إلى الله لنوحده ونعبده، ونخلع ما كنا نعبد نحن وآباؤنا من دونه من الحجارة والأوثان، وأمرنا بصدق الحديث، وأداء الأمانة، وصلة الرحم، وحسن الجوار، والكف عن المحارم والدماء، ونهانا عن الفواحش، وقول الزور، وأكل مال اليتيم،وقذف المحصنات،وأمرنا أن نعبد الله وحده،لا نشرك به شيئًا،وأمرنا بالصلاة والزكاة والصيام . فعدد عليه أمور الإسلام . فصدقناه، وآمنا به، واتبعناه على ما جاءنا به من دين الله ، فعبدنا الله وحده، فلم نشرك به شيئًا، وحرمنا ما حرم علينا، وأحللنا ما أحل لنا، فعدا علينا قومنا، فعذبونا وفتنونا عن ديننا؛ ليردونا إلى عبادة الأوثان من عبادة الله تعالى، وأن نستحل ما كنا نستحل من الخبائث، فلما قهرونا وظلمونا

[38] عیاض قا ضی، الشفا ء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ، ج 1،با ب 2، فصل5، ص: 44

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com
Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

وضيقوا علينا، وحالوا بيننا وبين ديننا خرجنا إلى بلادك، واخترناك على من سواك، ورغبنا في جوارك، ورجونا ألا نظلم عندك ایھاالملک"

"اے بادشاہ ہم جاہل قوم تھے۔ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں، ہم مردہ جانور کھاتے ہیں، ہم بدکاری کرتے ہیں، ہم رشتہ داریاں توڑتے ہیں، ہم اپنے پڑوسیوں کو گالی دیتے ہیں، اور ہمارے طاقتور اور کمزور، پتھر اور بت کھاتے ہیں، اور اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ رشتہ داریاں قائم رکھنا، اچھی ہمسائیگی، بدکاری اور خونریزی سے پرہیز، بے حیائی سے منع کرنا، جھوٹ بولنا، یتیم کا مال کھانا، پاک دامن عورتوں پر غیبت کرنا، اور ہمیں صرف اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنے کا حکم دیا، اور نماز، زکوٰۃ اور روزے کا حکم دیا۔ ان پر اسلام کے معاملات کو شمار کیا۔"[39]

ایک مرتبہ جب نبی اکرمؐ نے صحابہ کرامؓ کے سامنے کچھ شعراء کا ذکر کیا گیا اور ان سے پوچھا کہ کیا وہ اس جنگ کے لئے تیار ہیں؟ روایات میں آتا ہے کہ اس پر تین شاعر صحابی سامنے آئے اور اعلان کیا کہ یہ جنگ ہم لڑیں گے:

(1) حضرت حسان بن ثابتؓ

(2) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ

(3) حضرت کعب بن مالکؓ

(۴) ان کے ساتھ ایک چوتھے بزرگ حضرت قیس بن ثابت بن شماسؓ کو بھی شامل کر لیں جنھوں نے خطابت کے میدان میں وہی خدمات سر انجام دیں جو پہلے تین بزرگوں نے شاعری کے محاذ پر سر انجام دیں، انہیں خطیب الانصار کہا جاتا تھا اور سب سے پہلے "خطیب الاسلام" کا خطاب انہی کو ملا تھا۔

بنو تمیم عرب کا ایک مغرور قبیلہ تھا جنہیں اپنی خطابت، شاعری اور فصاحت و بلاغت پر بہت ناز تھا، ان کا وفد مدینہ منورہ آیا تو جناب نبی اکرمؐ سے ملاقات کر کے خطابت و شاعری میں مقابلہ کا چیلنج دے دیا۔ حضورؐ نے چیلنج قبول کیا اور مقابلہ کی باقاعدہ مجلس منعقد کی جس میں بنو تمیم کے شاعر و خطیب نے اپنی فصاحت، شاعری اور خطابت کے جوہر دکھائے جس کے جواب میں حضرت حسان بن ثابتؓ اور حضرت ثابت بن قیس بن شماسؓ نے شاعری اور خطاب کے ذریعہ اسلام کے محاسن اور جناب نبی اکرمؐ کے خصائل و محامد کا تذکرہ کیا۔ بنو تمیم کے سردار حضرت اقرع بن حابسؓ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ مسلمانوں کا شاعر اور خطیب دونوں ہمارے شاعر اور خطیب سے برتر ہیں اور پھر بنو تمیم نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

ان شعراء اور خطیب اسلام نے اس محاذ کو کس شان اور ذوق کے ساتھ سنبھالا اس کی دو تین جھلکیاں آپ دوستوں کو یاد دلانا مناسب سمجھتا ہوں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ مسجد نبویؐ میں منبر رسولؐ پر کھڑے ہو کر جناب نبی اکرمؐ کی مدح کرتے تھے اور کافروں کی طرف سے کی گئی ھجو کا جواب دیتے تھے جبکہ آپؐ سامنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھ کر انہیں داد اور دعا دیا کرتے تھے۔

خطیب کے منصب کی اہمیت و مقام

دعوت و تبلیغ، اصلاح وارشاد کے بہت سے وسائل واسالیب ہیں انہیں میں سے ایک موثر ذریعہ دروس و خطابت کا ہے۔ خطابت اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ، خاص استعداد وصلاحیت کا نام ہے جس کے ذریعے ایک مبلغ اپنے مافی الضمیر کے اظہار، اپنے جذبات واحساسات دوسروں تک منتقل کرنے اور عوام الناس کو اپنے افکار و نظریات کا قائل بنانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ بلاشک وشبہ قدرتِ بیان ایسی نعمت جلیلہ اور ہدیۂ عظمیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے اور خطابت وبیان کے ذریعے انسان قیادت وصدارت کی بلندیوں کو حاصل کرتا ہے۔ جو خطیب کتاب وسنت کے دلائل وبراہین سے مزین خطاب کرتا ہے اس کی بات میں وزن ہوتا ہے جس کا سامعین کے روح و قلب پر اثر پڑتا ہے۔ اور خطبۂ جمعہ کوئی عام درس یا تقریر نہیں بلکہ ایک انتہائی اہم نصیحت ہے جسے شریعتِ اسلامیہ میں فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سارے وہ لوگ بھی شریک ہوتے ہیں جو عام کسی

---

[39] الرحیق المختوم ازمولاناصفی الرحمن مبارکپوری

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www. al-aasar.com

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

درس وتقریر وغیرہ میں شرکت نہیں کرتے۔ اس لیے خطباحضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ خطبات میں انتہائی اہم مضامین پر گفتگو فرمائیں جن میں عقائد کی اصلاح، عبادات کی ترغیب، اخلاقِ حسنہ کی تربیت، معاملات میں درستگی، آخرت کا فکر اور تزکیۂ نفس ہو۔

خطابت کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

بہ نسبت تحریر کے تقریر میں مہارت پیدا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ تحریر سے تو نفع خاص ہوتا ہے یعنی صرف طلبہ اور پڑھے لکھے لوگوں کو اور تقریر کا نفع عام ہوتا ہے جن میں خاص بھی داخل ہیں۔ غرض بیان کی دو صورتیں ہیں: ایک درس جس کا نفع خاص طلبہ کو ہے اور ایک وعظ جس کا نفع عوام کو ہے اور ان دونوں قسموں کا فائدہ اس پر موقوف ہے کہ قوت بیانیہ بقدر ضرورت حاصل ہو۔(40)

ایک اور مقام پر فرمایا:

وعظ جس سے عام اصلاح ہو اس زمانہ میں میرے نزدیک نہایت ضروری کام ہے بلکہ درس وتدریس سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ درس وتدریس سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ درس وتدریس اسی (وعظ) کے لئے ہے اور انبیائے کرام کی بعثت بھی اسی لئے ہوئی تھی۔(41)

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب خطیب عوام الناس کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو وہ اپنے انداز بیان، آواز کے اتار چڑھاؤ، الفاظ کی ادائیگی اور اپنے بیان کی رونق کے ذریعے سامعین ومخاطبین پر اثر انداز ہوتا ہے، وہ پڑھے لکھے، ان پڑھ، دیدہ بینا رکھنے والے، بچے، بڑے غرض ہر ایک سے مخاطب ہوتا ہے اور قوائے بشریہ کو کام میں لاتے ہوئے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑتا، انہیں کے بھلائی کے کاموں کے لئے برانگیختہ کرتا اور ان کو اپنا فرمانبردار اور مطیع بنانے کے لئے ان کے سامنے دلائل وبراہین کے انبار لگا دیتا ہے، اپنے دلائل وبراہین، پیرایۂ بیان بدل بدل کر اس طرح سامنے لاتا ہے کہ مجمع کو وہ جس طرف موڑنا چاہتا ہے موڑ دیتا ہے، جس رخ پر ڈالنا چاہتا ہے ڈال دیتا ہے۔(42)

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح انسانیت کے لئے زندگی کے تمام شعبوں میں روشن نقوش چھوڑے ہیں، زبان وادب بھی اس سے ہرگز مستثنیٰ نہیں۔ شعر ہو یا نثر، عربی ادب کی دونوں اصناف نے حدیث نبوی وسیرت رسول سے گہرا اثر لیا ہے۔ اسی طرح عربی نثر کی تقریباً تمام اصناف مثلاً خط نویسی، اَمثال، قصص اور خطابت رسول اللہ ﷺ کی بلاغت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں۔

خطابتِ رسول ﷺ نے عربی فنِ خطابت پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ آپ ﷺ کی نادر تعبیرات، بہترین آغاز، حسنِ اختتام، اقتباس من القرآن، وسعتِ میادین، دینی خطابت، اختصار وجامعیت... وغیرہ وہ زریں اصول تھے جو آپ ﷺ کے بعد بھی نہ صرف عربی خطابت بلکہ دیگر اسلامی زبانوں کے فنِ خطابت کے لئے بھی روزِ روشن کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اچھے امام وخطیب کے خصائص

بندے اور خالق کے درمیان فرائض میں امام واسطہ ہوا کرتا ہے، واسطہ جس قدر قوی وتوانا ہوگا اسی کے بقدر اس پر سہارا بھی دیا جاسکتا ہے، منصبِ امامت کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ جب امامت کبری کا مسئلہ درپیش ہوا تو امامت صغری ہی کو بطورِ نظیر پیش کیا گیا، جس کی بنا پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی، لہٰذا جو منصب جتنا اہم ہوتا ہے اسی کے بقدر اس کا پاس ولحاظ بھی کرنا پڑتا ہے، لہٰذا مساجد کی امامت کے لیے بھی ایسے ہی افراد کا انتخاب ہو جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق:

إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ ؛ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ(43) جب نااہل کو کوئی منصب سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

40 دعوات عبدیت، ۱۲۷/۱۱۲بحوالہ رہنمائے خطابت ، مفتی ابو لبابہ شاہ منصور، السعید، کراچی، ص :۲۶
41 مزید المجید، ص ۶۵بحوالہ رہنمائے خطابت ، مفتی ابو لبابہ شاہ منصور، السعید، کراچی، ص :۲۷
42 عبد اللہ شحانہ ، دکتور۔ الدعوة الاسلامیة والاعلام الدینی، الهیئة المصریة العامة للکتاب،مصر، ۱۹۷۸، ص :۱۹
43 بخاری، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح ، کتاب العلم ، باب من سئل علما وهو مشتغل في حديثه فأتم الحديث ثم أجاب السائل،رقم الحديث:۵۹

دراصل امامت بھی ایک ایسا ہی منصب ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس سے گھبرایا کرتے تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نماز پڑھائی، اس کے بعد کہنے لگے کہ تم لوگ اپنا امام تلاش کرلو، آئندہ میں نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنھم چار چیزوں سے ڈرتے تھے جن میں امامت اور فتوی بھی ہے۔[44]

الغرض امامت وہ منصب ہے جب تک صلاحیت نہ ہو اس سے احتراز کرنے ہی میں عافیت ہے، لیکن کوئی شخص امامت کے لیے آمادہ ہے تو اس کے لیے ان اوصاف کا حامل ہونا بھی ضروری ہے جو ایک امام کے لیے مطلوب ہیں، اگر کوئی شخص امامت کا خواہاں ہے اور وہ مطلوبہ صفات سے خالی ہے تو اسے اپنے اندر ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ **اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم**[45] یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری نماز درجۂ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو زیادہ متقی و پرہیزگار ہو وہ تمہارا امام بنے کہ امام تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان بطور قاصد ہے۔**وفی روایۃ ان سرکم ان تقبل صلوتکم فلیؤمکم علمائکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم رواہ الطبرانی وفی روایۃ الحاکم فلیؤمکم خیارکم و سکت عنہ**[46] نیز ایک اور روایت میں ہے: تمہارے علماء تمہارے امام ہوں، اس لیے کہ ائمہ حضرات تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ترجمان ہوتے ہیں۔[47]

حدیث شریف میں ہے: **لا یَؤُمُّ فَاجِرٍ مُومِنًا** یعنی فاسق وفاجر کسی مومن کا امام نہ بنے[48] ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ اور اس کو امام بنانا گناہ ہے، کبیری میں ہے: لَوقَدَّمُوافَاسقًاياثمون یعنی اگر فاسق کو امام بنائیں تو گناہگار ہوں گے۔[49]

نماز کی امامت درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی (جو دنیا و آخرت کے پیشوا اور امام ہیں) نیابت کا ایک حصہ ہے، چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام اوصاف حمیدہ کے جامع اور نمونۂ قرآن ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہ رہی کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کرے اس میں بھی ان اوصاف کا پَرتو موجود ہو، چناں چہ کئی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کی صفات اور معیارات کو بیان کیا۔[50] دراصل امام کے تقوی کا اثر مقتدیوں کی نماز کے ثواب پر بھی پڑتا ہے، اس لیے کہ جو ثواب متقی کے لیے ہے وہ فاسق کی اقتداء میں نہیں۔[51]

خلاصہ بحث

فنِ خطابت تاریخ کے ہر دور میں انسانی معاشرت کا ایک لازمی جزو رہا ہے۔ قدیم یونان سے لے کر اسلامی دورِ عروج اور جدید دنیا تک، خطابت نے سیاسی، سماجی، تعلیمی اور مذہبی میدانوں میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ایک مؤثر تقریر وہی ہوتی ہے جو سامعین کے جذبات اور عقل دونوں کو متاثر کرے اور انہیں کسی خاص نظریے یا عمل کی طرف مائل کرے۔ عہدِ جدید میں خطابت کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے، جہاں ذرائع ابلاغ، سیاست اور تعلیم میں اس کے اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ایک کامیاب خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ زبان، منطق، اور باڈی لینگویج پر مکمل عبور رکھے، تاکہ اس کی بات زیادہ مؤثر اور پُراثر ہو۔ یہ تحقیق فنِ خطابت کے ارتقاء اور اس کے مختلف اسالیب کو اجاگر کرتی ہے، تاکہ اس عظیم فن کی اہمیت کو مزید سمجھا جاسکے۔

کتابیات

* شورش کشمیری، علامہ۔ فنِ خطابت (دیوبند: دارالکتاب، یوپی، 2005)۔

---

44 امام غزالي،الاربعين في أصول الدين،، دار القلم، دمشق، 2003 ء، ترجمہ بنام تبلیغ دین ،مترجم، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، ادارۃ الحسن، لاہور،ص:121

45 رسالۃ دکتوراۃ،محمد خالد اسطنبولی، اشراف:دکتورعبد الباسط ابراہیم بلبول۔جامۃ ام القری، کلیۃ الدعوۃ واصول الدین، قسم الکتاب والسنۃ،زوائد سنن أبي الحسن علي بن عمر الدارقطني على الكتب الستة من الأحاديث المرفوعة، باب تخفیف القراءۃ لحاجۃ،رقم الحدیث:۷۲۱

46 ملا علی قاری، علی بن سلطان محمد ہروی حنفی(وفات: 1014بمطابق 1606ء) شرح النقایۃ،مصطفی بابی حلبی، مصر، س۔ن، ج ۱ ص 186

47 طبرانی ، سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (المتوفى: 360ھ)۔المعجم الكبير۔محقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي، مكتبة ابن تيمية - القاهرة،الطبعة الثانية،رقم: 777

48 أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458ھ)۔ السنن الكبرى، محمد عبد القادر عطا، دار الكتب العلمية، بيروت ،الطبعة الثالثة، 1424 ھ - 2003 ء، ج3،ص:171

49 ابراہیم حلبی حنفی، غنیۃ المتملی فی شرح منیۃ المصلی ۔ سہیل اکیڈمی، لاہور،1979ء، ص: ۴۷۹

50 شبير احمد العثماني (1305 – 1369 ھ)۔فتح المُلْهِم بشرح صحيح مسلم،مکتبہ رشیدیہ، کراچی، 1405ھ، ج 2،ص:231

51 مجموعۃ من العلماء، الفتاوی الھندیہ ۔دار احیاء التراث العربی، بیروت ،الفصل الثالث في بيان من يصلح إماما لغيره، 84/1

Vol. 1, No. 4 (2024)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN: 3006-6921

* السکندری، شیخ احمد۔ الوسیط فی الآدب العربی وتاریخہ، مترجم: پروفیسر عبد القیوم (لاہور: نفیس اکیڈمی، 2010)۔
* زیارت، احمد حسن۔ تاریخ ادب عربی، مترجم: عبد الرحمن طاہر سورتی (کراچی: مؤسس انجمن ترقی عربی پاکستان، 1998)۔
* پیر، محمد کرم شاہ۔ ضیاء النبی ﷺ (لاہور: مکتبہ ضیاء القرآن، 2012)۔
* خازن، امام علاء الدین علی بن محمد ابراہیم۔ تفسیر لباب التأویل فی معالم التنزیل المعروف بتفسیر خازن (بیروت: دار المعرفۃ، 1995)۔
* قاضی، عیاض مالکی۔ الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ (ملتان: فاروقی کتب خانہ، 2003)۔
* نیشاپوری، حاکم ابو عبد اللہ۔ المستدرک علی الصحیحین (بیروت: دار المعرفۃ، 2002)۔
* بیہقی، امام احمد بن الحسین۔ السنن الکبریٰ (بیروت: دار الفکر، 1990)۔
* بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح (ریاض: دار السلام، 1998)۔
* مبارکپوری، مولانا صفی الرحمن۔ الرحیق المختوم (لاہور: مکتبہ دار السلام، 2001)۔